پروفیسر محمد اسلم

فضل اللہ بن روزبہان اصفہانی

اور

ان کا ایک نادر رسالہ

JAMIA LIBRARY
JAMIA MILLIA ISLAMIA
DELHI

ابوالخیر فضل اللہ بن جمال الدین روزبہان[1] بن فضل اللہ[2]، الخنجی، الشیرازی، الاصفہانی، المتخلص بہ امین[3]، المشہور بہ خواجہ مولانا اصفہانی[4]، شیراز میں ۱۴۴۶ء/۸۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔

مولانا فضل اللہ کا سال پیدائش ابھی تک متنازعہ فیہ ہے۔ ان کے ہم عصر اور استاد شہرۂ آفاق محدث شمس الدین محمد السخاوی نے ان کے سوانح حیات اپنی مشہور عالم تصنیف الضوء اللامع میں بڑی تفصیل کے ساتھ قلمبند کیے ہیں لیکن ان کے سال پیدائش کے متعلق انھیں بھی یقین نہیں تھا۔ اس لیے آپ نے ان کی ولادت ۸۶۰-۸۵۰/۱۴۴۶-۱۴۵۶ء کے درمیان بتائی ہے[5]۔ عصر حاضر کے ادیب شہیر عمر رضا کحالہ کے خیال کے مطابق آپ ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء میں پیدا ہوئے[6]۔ تاریخ عالم آرائے امینی کے انگریزی ترجمہ کے دیباچے میں ایک فٹ نوٹ میں پروفیسر مینورسکی تحریر فرماتے ہیں کہ فضل اللہ ۸۷۷ھ/۱۴۷۲ء میں بغداد میں وارد ہوئے اس لیے گمان غالب ہے کہ وہ اندازاً ۲۵ سال کی عمر میں اصفہان سے نکلے ہوں گے اس لحاظ سے ان کی پیدائش ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء کی ہونی چاہیے[7]۔ کچھ عرصہ بعد حسن اتفاق سے پروفیسر مینورسکی کو خود مولانا فضل اللہ کی تصنیف تاریخ عالم آرائے امینی سے ایک شہادت مل گئی جس سے یہ ثابت ہوا کہ مولانا ۲۵ برس کی عمر میں ۸۷۵ھ/۱۴۷۰ء میں اصفہان سے نکلے تھے اس حساب سے ۸۵۰ھ/۱۴۴۶ء مولانا کا سال پیدائش ہے[8]۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فضل اللہ شافعی المذہب علما کے ایک ایسے خاندان کے فرد تھے جس کے افراد پشتہا پشت سے عہدہ قضا پر فائز چلے آ رہے تھے۔ ہر چند فضل اللہ نے اپنے والد اور دادا کے علاوہ اپنے کسی مورث اعلیٰ کا ذکر نہیں کیا تاہم اس کے والد کے غیر معمولی نام روزبہان کا تعلق فسا اور خنج کے اسی نام کے ایک خاندان سے جوڑا جا سکتا ہے[9]۔ یہ فسا وہی شہر ہے جہاں کی خاک پاک سے شہرۂ آفاق صوفی اور عالم حضرت روزبہان بن ابی نصر البقلی (م ۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء) پیدا ہوئے تھے[10]۔ حسن فسائی نے اپنی قابل قدر تصنیف فارس نامۂ ناصری میں ایک اور عالم زین العابدین علی بن روزبہان (م ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء) کا ذکر کیا ہے جو اپنے دور میں مولانا فضل اللہ کے آبائی وطن خنج میں

عہدۂ قضا پر فائز تھے۔[11]

فضل اللہ اپنی مشہور تصنیف تاریخ عالم آرائے امینی میں اپنے والد "جمال الحق والحقیقت روزبہان" کے متعلق رقم طراز ہیں کہ وہ سرداروں کے زمرہ میں داخل تھے لیکن ان پر کچھ ایسی گزری کہ انھوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور اپنے اوقات پڑھنے لکھنے میں بسر کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ ان کا شمار ان علما میں ہونے لگا جن پر سلطان یعقوب (م ۱۴۹۰) کی نظر عنایت رہتی تھی۔[12]

فضل اللہ اپنی والدہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ وہ اصفہان کے رتبۂ زکھرانے صاعدی کی فرد تھیں۔[13] یہ خاندان اپنی علم دوستی اور علمی سرپرستی کے لیے ایران بھر میں مشہور تھا۔ کمال اسمٰعیل اصفہانی جیسا صاحب کمال اور نامور شاعر اسی خاندان کے دسترخوان کرم کا ریزہ چین تھا اور اس نے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۲ قصائد اس خاندان کے مختلف افراد کی مدح میں لکھے ہیں۔[14] فضل اللہ کا ایک ماموں جمال الدین صاعدی شیراز کے قراقیونلو حاکم پیر بوداق بن جہان شاہ کے دور میں عہدۂ وزارت پر فائز تھا۔[15] فضل اللہ کا دوسرا ماموں مسعود شاہ شیراز کے حاکم جہان شاہ کا منظور نظر تھا جسے اس نے اپنے قبیلہ کی سرداری کے علاوہ نقارہ و علم بھی عطا کیا تھا۔[16] جہان شاہ کے انتقال کے بعد مسعود شاہ ہمیں سلطان یعقوب کے دربار میں نظر آتا ہے جہاں حسب سابق اس کی ساکھ قائم تھی۔[17] فضل اللہ نے اپنے ایک قریبی عزیز خواجہ نظام الدین احمد صاعدی کا ذکر بھی کیا ہے جس کے دسترخوان کرم سے ہر روز اندازاً ایک ہزار درویشوں کو کھانا ملا کرتا تھا۔[18] اس کا ایک دوسرا رشتہ دار قاضی عضد الاسلام صاعدی گرجی عیسائیوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا تھا۔[19]

فضل اللہ کی انہی رشتہ داریوں کے پیش نظر پروفیسر مینورسکی رقمطراز ہیں کہ ان پر غور کرنے سے یہ بات بخوبی عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جو سُنّی عقائد کے علمبردار تھے۔[20] ایک دوسرے موقع پر موصوف نے فضل اللہ کو "سُنّی مذہب کے فاضل علمبردار" کے لقب سے بھی یاد فرمایا ہے۔[21] مولانا کے یہی عقائد ان کے مخالفین کے دل میں کھٹکتے رہتے تھے اور اس کا اندازہ حسن روملو کی احسن التواریخ کے مطالعہ سے ہو جاتا ہے جس میں اس نے مولانا کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک متعصب سُنّی اور شیبانی خاں کے درباری تھے اور اہل بیت کے ساتھ اپنی دشمنی کے لیے رسوائے عالم تھے۔[22] زمانہ حال کے ادیبوں میں سے پروفیسر براؤن[23] اور استوری[24] نے بھی مولانا فضل اللہ کو جھگڑالو اور متعصب سُنّی لکھا ہے۔

اس زمانے میں شیراز کا شمار دنیائے اسلام کے گنے چنے مراکز علم میں ہوتا تھا اور اس دور کے بلاشبہ

سب سے بڑے شافعی فاضل مولانا جلال الدین دوانی وہاں درس دیا کرتے تھے۔ مولانا فضل اللہ کی یہ بڑی سعادت تھی کہ انھیں برسوں دوانی کے حلقہ درس میں بیٹھنے کا موقع ملا۔[25] محدث السخاوی نے ان کے اساتذہ میں عمید الدین شیرازی کا بھی ذکر کیا ہے۔[26] فضل اللہ تاریخ عالم آرائے امینی کے آغاز میں رقم طراز ہیں کہ انھوں نے علوم عربیہ کی تعلیم شیراز میں پائی اور ۲۰ برس کی عمر میں حج کی نیت سے عازم حجاز ہوئے۔[27] ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حج بیت اللہ کے بعد وہ شیراز واپس لوٹ آئے تھے۔

زمانے کے دستور کے مطابق فضل اللہ نے نوجوانی کے عالم میں سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ پیر جمال الدین صوفی جمالی اردستانی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔[28] پیر جمال الدین، جن کی زندگی کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں گزرا تھا، اپنے دور کے سربرآوردہ شعراء میں شمار ہوتے تھے۔[29] ان کی کلیات کا قلمی نسخہ جس میں ۲۲ مثنویات کے علاوہ رباعیات، غزلیات اور مفردات بھی شامل ہیں کیمبرج یونی ورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ پروفیسر نکلسن نے پروفیسر براؤن کے مخطوطات کی فہرست میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ "بہت ہی نادر منظوم شاہکار" ہے۔[30] پیر جمال الدین کی کلیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے مرید فضل اللہ سے خاص لگاؤ تھا اور وہ اپنے خطوط میں ان کو "فرزند" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ دوسروں کے نام خطوط میں بھی وہ اکثر ان کا اور ان کی ہمشیرہ کا ذکر بڑے پیار و محبت سے کیا کرتے تھے۔[31]

پیر جمال الدین کی بیعت کے بعد فضل اللہ نے تصوف کا مطالعہ شروع کیا اور ان کی نگرانی میں منازل سلوک طے کرنے لگے۔ دوسرے سفر حجاز میں فضل اللہ نے بڑی رغبت کے ساتھ شیخ ابو حفص شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی عوارف المعارف کا مطالعہ کیا۔[32]

۲۵ سال کی عمر یعنی ۸۷۵ھ – ۱۴۷۱ء میں فضل اللہ اپنی والدہ اور پیر جمال الدین کو ساتھ لے کر تلاش علم میں مصر کی جانب روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں قاہرہ میں شیخ محمد الخیضری (م ۹۰۴ھ/۱۴۹۹ء) کے علم و فضل کا بڑا چرچا تھا اور یہ فضل اللہ کی سعادت تھی کہ انھیں شیخ موصوف کے درس میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔[33] ادھر فضل اللہ نے اپنی تعلیم مکمل کی ادھر ان کی والدہ انتقال کر گئیں اور وہ بددل ہو کر اپنے پیر و مرشد کی معیت میں فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔ بیت المقدس پہنچتے ہی پیر جمال الدین نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کی تجہیز و تکفین کے بعد فضل اللہ نے مدینہ منورہ کی راہ لی۔[34]

ان دنوں مدینہ منورہ میں شہرۂ آفاق محدث شمس الدین محمد عبد الرحمٰن السخاوی مسجد نبوی میں حدیث کا درس

دیا کرتے تھے اور دُور دُور سے تشنگان علم ان سے سند حدیث لینے آیا کرتے تھے۔ فضل اللہ نے بھی ان سے بخاری شریف کا درس لیا اور جس دن انھیں سند حدیث ملی اس دن انھوں نے عربی میں ایک زوردار قصیدہ اپنے استاد کی مدح میں لکھا۔ اس واقعہ کے کئی سال بعد جب محدث السخاوی "الضوء اللامع" میں اپنے شاگرد رشید کے حالات قلم بند کرنے بیٹھے تو وہ قصیدہ ان کے پاس موجود تھا۔[۳۰]

اسی زمانے میں مدینۂ منورہ میں ایک اور بزرگ ابوعبداللہ احمد بن ابوالفرج بھی حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ فضل اللہ نے ان کی خدمت میں رہ کر مسلم شریف کی سند حاصل کی۔[۳۱]

امام محمد بن ادریس الشافعیؒ کے مقلدین میں امام محمد غزالی بلاشبہ سب سے بڑے عالم ہوئے ہیں اس لیے شافعی المذہب ہونے کی بنا پر فطرتاً فضل اللہ کا رجحان ان کی طرف تھا۔ قیام حجاز کے دوران انھیں امام غزالی کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا اور انھوں نے منہاج العابدین اور احیاء العلوم کا مطالعہ بڑے شوق اور انہماک سے کیا۔[۳۲]

حجاز مقدس میں تکمیل تعلیم کے بعد فضل اللہ شیراز واپس لوٹے اور یہاں آتے ہی انھوں نے " بدیع الزمان فی قصۂ حی ابن یقظان " تالیف کی۔ اسی دوران ان کا دل کسی وجہ سے آب رکن آباد اور گل گشت مصلّٰی سے اچاٹ ہوا اور انھوں نے حجاز مقدس میں جا بسنے کی ٹھان لی۔ لیکن عین آخر وقت پر حجاز کی بجائے وہ سلطان یعقوب سے ملنے کی غرض سے آذربائیجان روانہ ہوئے۔ یہ پیچھے گزر چکا ہے کہ فضل اللہ کے والد جمال الدین روزبہان سلطان موصوف کے منظور نظر علما میں سے تھے اس لیے بغیر کسی دشواری کے شعبان ۸۹۲ / اگست ۱۴۸۷ میں کوہ سہند کے دامن میں گرمائی کیمپ میں سلطان کی خدمت میں باریاب ہوئے اور اپنی کتاب بدیع الزمان اس کی خدمت میں نذر گزرانی۔ سلطان نے فضل اللہ کو اپنا کاتب بنا کر ان کی عزت افزائی کی اور شاہی روزنامچہ لکھنے کی خدمت ان کے سپرد کی۔ آپ نے یہ خدمت قبول کرتے ہوئے سلطان کو یقین دلایا کہ خدا کو منظور ہوا تو اس روزنامچہ کے سامنے جوینی کی تاریخ جہانگشائی کی آب و تاب ماند پڑ جائے گی۔[۳۳]

چار سال تک مولانا فضل اللہ بحیثیت کاتب سلطان یعقوب کی خدمت میں حاضر رہے۔ اس دوران میں متعدد بار آپ نے اہم دستاویزات تیار کیں ۸۹۲ / ۱۴۸۷ میں سلطان اصفہان کے دورہ پر آیا تو اس نے وہاں کے سربرآوردہ لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا۔ مولانا فضل اللہ کو بھی ان کی خدمات کے عوض خلعت فاخرہ اور گھوڑا عطا ہوا اور اس کے ساتھ ہی ان کی تنخواہ میں بھی معقول اضافہ کیا۔[۳۴]

۸۹۲ھ/۱۴۸۷ء میں سلطان یعقوب نے بیت اللہ کے لیے غلاف تیار کروایا تو فضل اللہ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اس بات کا اعلان کریں کہ جو لوگ محمل کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے جانا چاہیں ان کی مدد سرکاری خزانے سے کی جائے گی۔[۴۰] اسی سال سلطان نے اپنے بیٹے کا ختنہ کیا تو اس تقریب پر سلطان حسین بایقرا نے اپنا سفیر تحفے تحائف اور خط دے کر سلطان یعقوب کی خدمت میں بھیجا۔ سلطان نے فضل اللہ کو حکم دیا کہ وہ اس خط کا جواب تحریر کریں۔[۴۱] اسی سال جب سلطان یعقوب نے اپنا سفیر حاکم مصر ملک الاشرف ابو النصر سیف الدین قایتبائی کے دربار میں بھیجا تو اس کے ہاتھ جو خط ملک الاشرف کے نام بھیجا تو وہ بھی فضل اللہ ہی سے لکھوایا تھا۔[۴۲]

رمضان ۸۹۳ھ/اگست ۱۴۸۸ء میں سلطان یعقوب نے ایک شاہی فرمان کی رو سے اپنی قلم رو میں شراب کے استعمال پر پابندی لگا دی اور ہر چھوٹے بڑے شہر میں لوگوں کے گھروں کو شراب کے پیالوں سے پاک رکھنے کے لیے محتسب مقرر کیے۔ اس موقع پر فضل اللہ بڑی مسرت کے ساتھ لکھتا ہے کہ اس فرمان کے ذریعے یہ قرار پایا کہ "جو شخص بھی پیالہ میں شراب انڈیلتا ہوا پکڑا جائے تو محافظان شریعت اس کے حلق میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر اس کی زندگی کا جام خالی کر دیں اور اگر کوئی ڈاڑھی منڈوا کر اپنا چہرہ بے نور کرے تو اس کا سر کاٹ کر اس کی زندگی کا چراغ بے نور کر دیا جائے"۔[۴۳]

اگلے ہی سال سلطان نے "نیزۂ دین" تیز کرتے ہوئے یہ حکم جاری کیا کہ احکام شریعت پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے اور خلفائے راشدین کے طریقے کے خلاف جو رسم و رواج پائے جاتے ہیں انھیں فوراً ختم کیا جائے۔[۴۴]

ایسے پاکیزہ ماحول میں فضل اللہ نے چار سال بسر کیے اور اس دوران میں نظام سلطنت میں بہت سی تبدیلیاں مشاہدہ کیں۔ محکمۂ عدل میں بہت سی اصلاحات کی گئیں اور شریعت کی ترویج کے لیے سلطان کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ احکام شریعت کے نفاذ کے لیے ہر شہر اور قصبے میں محتسب اور شحنہ متعین ہوئے۔ قاضی عیسیٰ نے بحیثیت وزیر اعظم ملک کے طول و عرض میں جو زرعی اصلاحات کی تھیں فضل اللہ نے بڑے قریب سے ان کا مطالعہ کیا تھا۔ اس نے اس بات کا مشاہدہ کیا کہ سلطان یعقوب اپنی رعایا کے ساتھ نیکی کا سلوک کیا کرتا تھا اور لہو و لعب سے باز رہ کر حتی الوسع احکام شریعت پر عمل کیا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ علما اور فضلا کا بڑا قدردان تھا۔[۴۵]

قاضی عیسیٰ نے نظام سلطنت میں جو اصلاحات کی تھیں فضل اللہ نے ان کا بڑے غور سے مطالعہ کیا تھا۔ آئندہ زندگی میں جب عبید اللہ خاں ازبک نے ان سے استدعا کی کہ وہ اسے ایسی کتاب تیار کر دیں جس پر عمل کر کے وہ بحیثیت حکمران نفاذ شریعت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے تو اس وقت اپنے سابقہ مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر

ان کی رائے میں پختگی آچکی تھی اور ان کی معلومات محض سنی سنائی باتوں پر مبنی نہ تھیں۔

سلطان یعقوب نے ۲۴ر دسمبر ۱۴۹۰ کو وفات پائی اور اس سانحہ کے بعد استحکام سلطنت میں بدنظمی کا دور دورہ شروع ہوا۔ ان حالات میں فضل اللہ اپنی ذمہ داریوں سے مستعفی ہو کر اصفہان چلے آئے جہاں وہ تصنیف و تالیف میں اپنا وقت گزارنے لگے۔ اسی زمانے میں شاہ اسمٰعیل صفوی آذربائیجان کے مطلع پر رونما ہوا۔ جونہی ۲۳ دسمبر ۱۵۰۲ کو مولانا فضل اللہ نے کاشان میں مشہور شیعی عالم علامہ حسن مطہر الحلّی (م ۱۳۲۵ء) کی کتاب نہج الحق کا رد کتاب ابطال نہج الباطل و اہمال کشف العاطل کے نام سے مکمل کیا اسی روز عراق عجم پر شاہ کے "منحوس قبضہ" کی خبر کاشان پہنچی۔

ان حالات میں بقول فضل اللہ ہجرت کے سوا اور کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ ایران سے نکل کر کہاں سر چھپایا جائے؟ خراسان کے تیموری حکمرانوں کے شاہ اسمٰعیل کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے اس لیے ان کے دربار میں فضل اللہ کو اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی سوچ و فکر کے دوران مولانا کو امید کی ایک کرن نظر آئی۔ ماوراء النہر کا حاکم شیبانی خاں کٹر سنی ہونے کی وجہ سے مولانا کا ہم مسلک اور شاہ کا سخت ترین مخالف تھا اس لیے مولانا نے اس کے دربار کی راہ لی۔ ۱۵۰۸ میں ہمیں مولانا فضل اللہ شیبانی خاں کے مصاحبوں اور اس کے دربار کے سربرآوردہ علما کی صف میں نظر آتے ہیں[46]۔

شیبانی خاں علما و فضلا کا قدردان ہونے کے علاوہ بذات خود بڑا پڑھا لکھا اور صاحب ذوق حکمران تھا۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات آج بھی پیرس کے کتب خانہ کی زینت بنے ہوئے ہیں اکثر اوقات وہ دوسرے علما کی موجودگی میں مولانا فضل اللہ کے ساتھ علمی مسائل پر گفتگو کیا کرتا تھا[47]۔ بعض اوقات خراسان اور ماوراء النہر کے علما کی موجودگی میں خان موصوف مولانا سے ہی درخواست کیا کرتا تھا کہ وہ کسی علمی یا مذہبی مسئلہ پر گفتگو کا آغاز کریں[48]۔ ایسی ہی مجالس میں موقع پاتے ہی مولانا شیبانی خاں کو شاہ اسمٰعیل کے خلاف اعلان جہاد کرنے پر ابھارتے[49] جو ان کے خیال میں صلیبیوں سے بڑھ کر گمراہ اور بے دین تھا[50] اپنی ایک ترکی غزل میں جو شیبانی خاں نے عید الفطر کی صبح لکھی تھی وہ مولانا فضل اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے ایسی ہی علمی مجالس کا ذکر کرتا ہے[51]۔ بعض اوقات جب خراسان اور ماوراء النہر کے علما کسی مذہبی مسئلے پر خان موصوف کو مطمئن نہ کر سکتے تھے تو وہ مولانا کو بلا کر ان سے صحیح جواب طلب کیا کرتا تھا[52]۔ کبھی کبھار خان ان سے خلوت میں ملاقات کرتا اور ایسے مواقع پر ان کو اپنے ساتھ کھانے میں بھی شریک کر لیتا تھا[53]۔ اگر کبھی علالت

کی بنا پر مولانا دربار سے غیر حاضر ہوتے تو خان اپنے کسی مصاحب کو بھیج کر ان کی مزاج پرسی کیا کرتا تھا۔[۵۴] ایک بار جب مولانا خان کے ساتھ قزاقوں کے خلاف مہم میں شریک ہوئے تو اثنائے سفر علیل ہو گئے۔ خان بار بار ان کی مزاج پرسی کے لیے کسی نہ کسی شخص کو ان کے پاس بھیجتا تھا۔ علاوہ ازیں خان نے اپنے ذاتی معالج مولانا زاہری کو ان کے معالجے کا حکم دیا۔[۵۵] جب مولانا صحت یاب ہو کر خان سے خواجہ احمد یسویؒ کے مزار مبارک پر ملے تو خان اٹھ کر ان سے گلے ملا۔[۵۶]

قزاقوں کے خلاف مہم پر روانہ ہونے سے قبل سلطان نے علمائے مشورہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ قزاقوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر کریں۔ علما نے بشمول مولانا فضل اللہ فتویٰ جہاد پر اپنی مہریں ثبت کر دیں۔[۵۷]

ایک بار خان موصوف نے اپنے بیٹے تیمور سلطان کو حکم دیا کہ وہ تمام قضاۃ اور صوبہ داروں کے نام یہ فرمان جاری کرے کہ آئندہ سے یتیم پوتے کو اس کے دادا کی وراثت سے حصہ دیا جائے۔ اس موقع پر مولانا فضل اللہ میدان عمل میں کود پڑے اور انھوں نے حدیث اور فقہ کے دلائل سے خان کو قائل کر کے وہ حکم واپس لینے پر مجبور کر دیا۔[۵۸]

ایک بار خان نے جمعہ کے روز آپ کو حکم دیا کہ اس کی موجودگی میں وہ خطبۂ جمعہ ارشاد فرمائیں۔ مولانا نے اپنے خطبہ میں خان کو بحیثیت حکمران اپنے فرائض سے آگاہ کرتے ہوئے اُسے حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنے کا مشورہ دیا۔[۵۹] ایک دوسرے موقع پر خان نے آپ کو ایک انکوائری کمیشن کا صدر بنا کر اساتذہ اور طلبہ کے معاملات میں تحقیق کرنے کا حکم دیا۔ آپ کی سفارش پر خان نے اساتذہ کا مشاہرہ بڑھاتے ہوئے طلبہ کے لیے وظائف جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔[۶۰]

عام طور پر مولانا فضل اللہ جامع مسجد سمرقند، مدرسہ شیبانی خاں اور موضع خرتنگ میں امام بخاری کے مزار پر حدیث کا درس دیا کرتے تھے اور ان کے اپنے الفاظ میں دُور دُور سے ہزاروں طلبہ ان سے حدیث کا درس لینے آیا کرتے تھے۔[۶۱] جب کبھی مولانا شیبانی خاں کے ساتھ سفر پر جاتے تو طلبہ کا جم غفیر ان کے ہم رکاب رہتا اور اثنائے سفر بھی وہ درس حدیث جاری رکھتے۔[۶۲] دیکھتے ہی دیکھتے مولانا کے شاگرد ماوراء النہر اور ترکستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور انھوں نے ہر جگہ حدیث اور دوسرے علوم شریعت کا درس جاری کیا۔[۶۳] تذکرۂ محسن نثاری کے مصنف کے قول کے مطابق ماوراء النہر کے اکثر و بیشتر علما نے مولانا فضل اللہ کے حضور میں

زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔[52] خود عبید اللہ خاں ازبک والیِ بخارا نے حصن حصین مولانا سے پڑھی تھی اور دوران تدریس وہ ہمیشہ خان موصوف کو قزلباشوں کے خلاف جہاد کی ترغیب دیا کرتے تھے۔[53]

وسط ایشیا کے بے شمار علما نے مولانا فضل اللہ سے روایت حدیث کی اجازت لی۔[54] علاوہ ازیں خود ان کے الفاظ میں حجاز، مصر، شام، آذربائیجان، دیاربکر، عراق، فارس، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان کے بے شمار لوگوں نے ان سے امام بوصیریؒ کے قصیدہ بُردہ پڑھنے کی اجازت لی اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی شمار سے باہر تھی جنھوں نے قصیدہ بُردہ کے متن کو مولانا کے متن سے ملا کر صحیح کیا۔[55]

ماوراء النہر کے قیام کے دوران مولانا نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کے عالم ہی تسلیم کیے جاتے تھے بلکہ عوام ان کو ایک خدا رسیدہ درویش بھی سمجھتے تھے۔[56] ان کے اپنے بیان کے مطابق نقش بندیہ سلسلہ کے شہرۂ آفاق بزرگ خواجہ ناصر الدین عبید احرارؒ کے مرید بھی ان کی خدمت میں کسب فیض کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔[57]

۱۵۰۹ میں فضل اللہ نے شیبانی خاں کی معیت میں مشہد مقدس میں امام علی رضاؑ کے مزار کی زیارت کی اور زیارت سے فارغ ہوتے ہی خان موصوف سے رخصت لے کر آپ امام غزالیؒ کے مزار کی زیارت کے لیے طوس روانہ ہو گئے۔[58] طوس میں چند روز قیام کے بعد آپ ہرات چلے گئے۔ جب ۲۳ رجادی الاوّل ۹۱۵/ ۱۵۰۹ میں آپ نے "مہمان نامۂ بخارا" مکمل کی تو آپ ہرات میں ہی قیام پذیر تھے۔[59]

فضل اللہ نے آٹھ برس شیبانی خاں کے دربار میں بسر کیے۔ مہمان نامہ بخارا کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ دَور ان کی زندگی کا بہترین دَور تھا۔ بدقسمتی سے ۲ دسمبر ۱۵۱۰ کو شیبانی خاں نے مرو کے مقام پر اسمٰعیل صفوی سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا[60] اور اس کی شہادت کے بعد اسمٰعیل کے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے ازبک ترکستان کی طرف چلے گئے۔

اسی اثنا میں بابر نے اسمٰعیل کی بھیجی ہوئی فوج کی مدد سے ماوراء النہر پر قبضہ کر کے سمرقند کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔[61] بابر نے اسمٰعیل کے ساتھ اپنے وعدہ کے مطابق شیعہ علما کو اپنے عقائد کی تبلیغ کے لیے خاص مراعات دیں اور اس کے علاوہ اپنے سکوں پر ائمہ اثنیٰ عشر کے نام منقوش کروائے۔[62] ماوراء النہر کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ان کی مساجد میں ایک شیعہ حکمران یعنی شاہ اسمٰعیل صفوی کا نام خطبہ میں پڑھا گیا۔[63] فضل اللہ ان دنوں سمرقند میں قیام پذیر تھا بلکہ بقول اس کے وہ "ملحدوں" میں رہنے پر مجبور تھا۔[64] یہ زمانہ بلاشبہ فضل اللہ کی زندگی کا بدترین دَور تھا۔

دو سال بعد ۱۵۱۲ میں فضل اللہ کے شاگرد رشید عبید اللہ خاں ازبک نے بابر کے حلیف اور ایرانی سپاہ کے قائد نجم ثانی کو غجدوان کے مقام پر شکست دے کر قتل کر ڈالا اور بابر سے دو دو ہاتھ کرنے کے ارادہ سے سمرقند کی جانب روانہ ہوا۔ راستے میں وہ یسی کے مقام پر حضرت خواجہ احمد یسویؒ کے مزار پر دعا کے لیے حاضر ہوا اور وہیں اس نے حضرت خواجہ کو گواہ بنا کر خدا سے یہ وعدہ کیا کہ اگر اسے بابر پر فتح ہوئی تو وہ شریعت کے مطابق حکومت کرے گا۔ بابر بقول فضل اللہ نوے ہزار اور بقول حیدر دغلت چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ عبید اللہ کے مقابلہ کے لیے سمرقند سے نکلا۔ کول ملک کے مقام پر دونوں میں مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں بابر کو شکست فاش ہوئی اور وہ بمشکل اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جانیں بچا کر سمرقند سے کابل کی جانب فرار ہوا۔ خدا تعالیٰ نے فضل اللہ کی "دعا سن لی" اور اسے ملحدوں کے چنگل سے نجات ملی[۲۴]۔ عبید اللہ نے ماوراء النہر پر قابض ہوتے ہی فضل اللہ کو بخارا آنے کی دعوت دی اور اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے ان کی خدمت میں ایک ایسی کتاب لکھنے کی درخواست پیش کی جس میں حکومت کے ہر شعبہ کے متعلق شریعت کے احکام موجود ہوں۔ دو سال کی محنت کے بعد ۱۵۱۴/۹۲۰ میں آپ نے "سلوک الملوک" اس کی خدمت میں پیش کی۔ حسن اتفاق سے اس کتاب کا اصل مسودہ بخارا میں ایک روسی مستشرق اسے زیڈ، والی دُو کے ہاتھ لگا[۲۵] اور اس نے اسے لینن گراڈ کے عجائب گھر مُوزے ایشیاٹیک کو دے دیا۔ پروفیسر مینورسکی کی سعی و کاوش سے اس کی مائیکروفلم مجھے مل گئی اور میں نے کیمبرج میں قیام کے دوران اس کا انگریزی میں ترجمہ کر ڈالا۔

سلوک الملوک کی تصنیف کے بعد بھی فضل اللہ بے کار نہ بیٹھے بلکہ کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہے۔ ۱۵۱۵/۹۲۱ میں الخونی نے قصیدۂ بُردہ کی شرح لکھی اور اصل قصیدہ کا فارسی میں منظوم ترجمہ بھی کر ڈالا[۲۶]۔

فضل اللہ نے اپنی زندگی کے آخری چھ سال بخارا میں اپنے سرپرست اور قدردان عبید اللہ خاں کے دربار میں گزارے اور حسن روملو کی روایت کے مطابق وہیں ۷۷ سال کی عمر میں ۵ جمادی الاولی ۹۲۷ مطابق ۱۳ اگست ۱۵۲۱ کو وفات پائی[۲۷]۔

فضل اللہ کے آثار

۱ - بدیع الزمان فی قصۂ حی ابن یقظان۔ فضل اللہ کی اوّلین تالیف ہے جسے الخونی نے ۸۹۲/۱۴۸۷

سے قبل مکمل کرکے سلطان یعقوب کے نام منسوب کیا۔ بد قسمتی سے اس کتاب کا سراغ دنیا کے کسی بھی کتب خانے میں نہیں ملتا۔

۲۔ مہمان نامہ بخارا کو فضل اللہ کی ذاتی ڈائری کہا جا سکتا ہے جس میں انھوں نے بخارا، سمرقند، مشہد اور مرو میں منعقد ہونے والے "مباحث دینی" کی تفصیلات دی ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے شیبانی خاں کی قزاقوں کے خلاف مہم کا بھی بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ مولانا اس کا نام سفر نامہ بخارا رکھنا چاہتے تھے لیکن شیبانی خاں کے اصرار پر اسے مہمان نامہ بخارا کا نام دیا۔ یہ کتاب تہران سے ۱۹۶۲ میں ڈاکٹر منوچہر ستودہ کی سعی و ترتیب سے شائع ہو چکی ہے۔

۳۔ کتاب ابطال نہج الباطل و اہمال کشف العاطل مولانا کی عربی زبان میں ایک اہم تالیف ہے اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یہ کتاب انھوں نے مشہور شیعی عالم علامہ حسن مطہر الحلی کی نہج الحق کے رد میں لکھی تھی جس دن یہ کتاب مکمل ہوئی تھی اسی دن شاہ اسمٰعیل صفوی کے عراق عجم پر قبضہ کی خبر فاضل مصنف کو ملی تھی۔ اس کتاب کا بھی کوئی نسخہ تاحال دستیاب نہیں ہو سکا۔

۴۔ تاریخ عالم آرائے امینی مولانا فضل اللہ کی بہت ہی اہم تالیف ہے جس میں انھوں نے سلطان یعقوب کے عہد کے واقعات قلم بند کیے ہیں۔ اس کتاب کے دو قلمی نسخے ہمارے علم میں ہیں۔

i۔ مخطوطہ نمبر ۴۴۳۱۔ فاتح لائبریری استانبول (۲۲۵ اوراق)

ii۔ مخطوطہ نمبر ۱۰۱۔ ببلیوتھیک نیشنل۔ پیرس، ۲۰۶ اوراق)

اس کتاب کے چیدہ چیدہ صفحات کا انگریزی ترجمہ لندن سے ۱۹۵۷ میں پروفیسر مینورسکی نے "پرشیا ان اے۔ ڈی ۱۴۷۸-۱۴۹۰" کے نام سے شائع کیا ہے۔

۵۔ سلوک الملوک بلاشبہ مولانا فضل اللہ کی سب سے اہم تصنیف ہے جو انھوں نے عبید اللہ خاں کی استدعا پر لکھی تھی۔ اس کتاب کے پانچ نسخے میرے علم میں ہیں۔

i۔ برٹش میوزیم لندن، مخطوطہ اورینٹل نمبر ۲۵۳

ii۔ موزے ایشیاٹیک لینن گراڈ کا نسخہ مولانا فضل اللہ کے ہاتھ کی تحریر ہے۔

iii۔ جامعہ نظامیہ حیدر آباد کا نسخہ۔

iv۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کا نسخہ۔

۷۔ آصفیہ لائبریری حیدرآباد کا نسخہ۔

حال ہی میں ڈاکٹر نظام الدین صاحب نے دائرۃ المعارف حیدرآباد کی طرف سے یہ کتاب شائع کردی ہے لیکن ابھی تک میری نظر سے نہیں گزری۔ ڈاکٹر صاحب نے پروفیسر آربری کے توسط سے صرف ایک صفحہ بطور نمونہ مجھے بھیجا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ٹائپ میں بڑی نفاست کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

۶۔ شرح قصیدۂ بُردہ۔ یہ کتاب مولانا نے $\frac{921}{1515}$ میں بخارا میں قلم بند کی تھی، اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے مولانا اپنے دور میں قصیدۂ بُردہ پر آخری سند سمجھے جاتے تھے اور دور دراز کے علاقوں سے سینکڑوں کی تعداد میں مشتاقین ان سے قصیدہ کا وِرد کرنے کی اجازت لینے آیا کرتے تھے۔ اس کتاب کے تین مخطوطے ہمارے علم میں ہیں۔

i۔ مخطوطہ نمبر ۳۴۴۱، نور عثمانیہ لائبریری، استانبول،

ii۔ مخطوطہ نمبر ۹۸۹، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ،

iii۔ مخطوطہ نمبر ۱۰۵، ایڈنبرا یونیورسٹی لائبریری، ایڈنبرا، سکاٹ لینڈ۔

آخری نسخہ کے ۱۱۴ اوراق ہیں جس سے اس کی ضخامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۷۔ رسالۂ حارثیہ۔ یہ رسالہ مولانا فضل اللہ نے حدیث حارث کی تشریح میں لکھا تھا۔ اس کا کوئی نسخہ ہمارے علم میں نہیں۔ مہمان نامۂ بخارا میں اس کا حوالہ موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ $\frac{915}{1509}$ سے قبل تحریر کیا تھا۔

۸۔ رسالہ در حقیقت و انواع حدیث قدسی، مولانا فضل اللہ کے ۴ ورق کے اس مختصر سے رسالہ کا واحد نسخہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں موجود ہے جس میں انھوں نے حدیث قدسی کی اقسام ایک عزیز کے استفسار پر ذرا تفصیل سے لکھی تھیں۔ یہ رسالہ ۴ ۲ ذی قعدہ ۹۲۲ کو "قصبہ کرمینہ من سند سمرقند" میں ورطۂ تحریر میں آیا۔

۹۔ مولانا فضل اللہ نے شیخ علی بن عیسٰی الاربلی کی مشہور تالیف "کتاب کشف الغمہ" کا ایک خلاصہ تیار کیا اور پھر اس کی شرح لکھی، بدقسمتی سے یہ کتاب بھی اب مفقود ہو چکی ہے۔

ان کتب و رسائل کے علاوہ ان کا ایک فارسی اور ایک ترکی قصیدہ منشآت السلاطین میں محفوظ ہے ان قصائد میں انھوں نے سلطان سلیم عثمانی سے استدعا کی ہے کہ جس طرح سکندر نے ایران پر حملہ کرکے دارا

کو شکست دی تھی اسی طرح آپ بھی ایران پر حملہ کر کے شاہ اسمٰعیل صفوی کو شکست دیں۔ مولانا کی یہ آرزو ان کی زندگی ہی میں پوری ہو گئی اور سلطان سلیم نے چالدران کی جنگ میں شاہ اسمٰعیل کو شکست فاش دے کر اس کے پایۂ تخت تبریز پر قبضہ کر لیا۔

مولانا کی کتابوں کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مندرجہ بالا کتب کے علاوہ نو اور کتابیں بھی تحریر کی تھیں جو زمانہ کی دست برد سے ہم تک نہیں پہنچ پائیں۔

۱۔ مناقب پیر جمال اردستانی
۲۔ شرح صحیح المسلم
۳۔ شرح وصایائے خواجہ عبد الخالق غجدوانی
۴۔ حاشیہ بر حواشی شرح جدید
۵۔ حاشیہ بر تفسیر کشاف
۶۔ رسالۂ مقاصد
۷۔ حاشیہ بر محالات
۸۔ حلِ تجرید
۹۔ حاشیہ بر کتاب شرح مواقف

رسالہ در حقیقت و انواع حدیث قدسی

(یہ چار ورق کا مختصر سا رسالہ مولانا آزاد لائبریری علی گڈھ کے مجموعہ سبحان اللہ (۲۹۷/۹۲) میں محفوظ ہے اور جہاں تک میری ناقص معلومات کا تعلق ہے یہ واحد نسخہ ہے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ مولانا کے حالات کے ساتھ اسے بھی شائع کر دیا جائے تاکہ یہ محفوظ ہو جائے۔ رسالہ کا رسم الخط نستعلیق ہے حتیٰ کہ عربی عبارات بھی نستعلیق میں ہی لکھی ہوئی ہیں۔ رسالہ قدرے کرم خوردہ ہے اس لیے پڑھنے میں ذرا دقت ہوتی ہے)

الحمد للہ الذی نزل احسن الحدیث کتاباً فسمّی القدسیّ خطاباً والصلوٰۃ علیٰ سیدنا محمد الهادی عن ربہ حکمۃ وصواباً وعلیٰ آلہ واصحابہ ما انشأ الریاح سحابا، وبعد فمودہ می شود کہ

یکی از اصحاب که در زمرهٔ سادات رتبهٔ ارجمندان داشت و از ارباب سعادات نزد ما مرتبهٔ فرزندان داشت[۱] التماس نمود که حقیقت حدیث قدسی جهت او بیان کرده شود و بعضی از آن با ترجمه در طی بیان حقیقت او آورده شود برحسب التماس آن فرزند اعز ارجمند این ورقه مکتوب گشت، امید که فوائد آن مسلمانان را شامل گردد و ما را ثواب تبلیغ علم حاصل گردد، ان شاء الله تعالیٰ والتوفیق منه فی کل باب۔

بدان ایدک الله تعالیٰ که حدیث قدسی حدیثی است که حضرت پیامبر صلی الله علیه وسلم آنرا روایت فرموده باشد از پروردگار خود بصیغه که دلالت کند بر آنکه آن فرمودهٔ حق تعالیٰ است و حرف متعلق بلفظ آن نباشد و مراد از عدم تعلق حرف بلفظ آنست که لفظ آنرا جنب و حائض توانند خواند و بی طهارت مساس آن توان کرد و بدین قید ممتاز می گردد از قرآن، و فرق میان او و قرآن از چند وجه است، اول آنکه حدیث قدسی مروی پیامبر است از حضرت حق تعالیٰ و قرآن منزل بوحی است۔ دوم آنکه قرآن لابد است که منزل به آنحضرت صلی الله علیه وسلم بواسطهٔ جبریل باشد و در حدیث قدسی این لازم نیست۔ سیوم آنکه لفظ حدیث قدسی لازم نیست که بر حضرت پیامبر صلی الله علیه وسلم از جانب حق تعالیٰ وارد شده باشد بلکه معنی آن ملقی به آنحضرت صلی الله علیه وسلم شده و لفظ می تواند بود که از آن پیامبر باشد صلی الله علیه وسلم و چون این مقدمه معلوم شد باید دانست که حدیث قدسی بر چند نوع است۔ نوع اول آنکه در شب معراج بعد از قطع سموات و عبور از سدرة المنتهیٰ چون بشرف لقای حضرت جل و علا مشرف گشت حق تعالیٰ با آنحضرت صلی الله علیه وسلم مکالمه فرمود و آن کلامها آنحضرت صلی الله علیه وسلم با امت خود روایت کرد و در عدد آن اختلاف کرده اند۔ بعضی گویند که او سه قسم بود، یک قسم آنکه حضرت حق تعالیٰ امر فرمود که آنرا به بندگان برساند، و قسم دوم آنکه امر فرمود که آنرا پوشیده دارد از بندگان زیرا که منفعت آن خاصهٔ آنحضرت بود صلی الله علیه وسلم و دیگر امتان آنرا نمی فهمیدند پس از ایشان پوشیده بایست داشتن، قسم سیوم آنکه آنحضرت صلی الله علیه وسلم مرخص بود که اگر خواهد رساند و اگر نخواهد نرساند، بعضی گویند سی هزار حدیث بود و از آنجمله کتابیست که آنرا احمدیات گویند و در آنجا بسیاری از احادیث است یا احمد محبتی محبة الفقراء اُدنِ مجلسهم منک اُدنِک یعنی ای احمد دوستی من دوستی فقرا است پس نزدیک گردان مجلس ایشان را که بجو که نزدیک کردم من بتو،

۱؎ مراد باین سیدی که رتبهٔ ارجمندان دارد میر سلطان محمود مشهور برکه سید غیاث است۔

اما علمای حدیث را در صحت احادیث احدیات سخن است و تعیین عدد آن احادیث در صحیح وارد نشده و از جملهٔ احادیث قدسیه که در صحیح وارد شده که در شب معراج در مکالمهٔ حق با آنحضرت بوده این حدیث است، هی خمس وهی خمسون لایبدل القول لدیّ یعنی این نمازها که بر بندگان فرض گردانیدم پنج نماز است و ثواب پنجاه نماز دارد و تبدیل کرده نمی شود قول نزد من یعنی سخن من و امر من تبدیل نمی یابد. و نیز این حدیث دیگر است، امضیت فریضتی وخففت عن عبادی یعنی فریضهٔ خود را امضا کردم و از بندگان خود تخفیف نمودم، و این هردو حدیث در شب معراج وارد شده بعد از آنکه نماز پنجاه وقت مقرر شده بوده باشارهٔ موسی درخواست آنحضرت علیهما الصلوٰة والسلام از پنجاه به پنج مقرر شده، حق تعالی این دو حدیث به آنحضرت فرموده. و نیز در احادیث قدسیه شب معراج وارد شده. یا محمد انهن خمس صلوات کل یوم ولیلة لکل عشر فذلک خمسون صلوٰة من هم بحسنة فلم یعملها کتبت له حسنة فان عملها کتبت له عشراً ومن هم بسیئة فلم یعملها لم یکتب له شیئ وان عملها کتبت له سیئة واحدة ——

یعنی ای محمد این نمازهای فرض کرده شود بر تو پنج نماز است در شبانروزی مر هر نمازی را ثواب ده نماز است پس پنجاه نماز باشد، هرکه قصد نیکو کند و آنرا بعمل نیاورد از برای او ثواب یک حسنه نویسند، پس اگر بعمل در آورد او را ثواب ده حسنه نویسند، و هرکه قصد کار بدی کند و بعمل نیاورد هیچ چیز بر او ننویسند. و اگر بعمل آورد از برای او یک گناه نویسند. نوع دوّم از حدیث قدسی آنست که معنی آن حق تعالی در دل آنحضرت صلی الله علیه وسلم می افگند و آنحضرت صلی الله علیه وسلم بعبارت خود آنرا بیان می فرماید، و از صحاح آن احادیث. حدیث است. قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فیما یرویه عن ربه اعددت لعبادی الصالحین[۱] ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ——

یعنی مهیا گردانیده ام از برای بندگان صالح خود آن چیزی که ندیده هیچ چشمی و نه گوشی شنید و نگذشت بر دل آدمی مراد آنکه ثواب بندگان صالحان بسیار عظیم است که مثل آن کس ندیده و نشنیده و در دل کسی نگذشته، و دیگر این حدیث است که در صحیح مسلم از ابوذر روایت کرده. قال الله تعالیٰ یا عبادی کلکم ضال الا من هدیته فاستهدونی اهدکم یا عبادی کلکم جائع الا من اطعمته فاستطعمونی اطعمکم یا عبادی

---

[۱] مراد از صالحان عارفان اسرار باطن و مراد از ما لا عین رازهای درونی ایشان است که عنایت الهی باعطا فیض خاص گردانده.

کلکم عار الا من کسوته فاستکسونی اکسکم یا عبادی انکم تخطئون باللیل والنهار وانا اغفر الذنوب جمیعا فاستغفرونی اغفر لکم یا عبادی انکم لن تبلغوا ضری فتضرونی ولن تبلغوا نفعی فتنفعونی یا عبادی لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علیٰ اتقی قلب رجل واحد منکم ما زاد ذلك فی ملکی شیئا یا عبادی لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علیٰ افجر قلب رجل واحد منکم ما نقص ذلك من ملکی شیئا یا عبادی لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم قاموا فی صعید واحد فسألونی فاعطیت کل انسان مسئلته ما نقص ذلك مما عندی الا کما ینقص المخیط اذا ادخل البحر یا عبادی انما هی اعمالکم احصیها لکم ثم اوفیکم ایاها فمن وجد خیرا فلیحمد الله ومن وجد غیر ذلك فلا یلومنّ الا نفسه صدق یا رسول الله۔

ترجمه حدیث قدسی:۔ ای بندگان من، همه شما گمراهید مگر آنکسی که من راهنمایم اورا، پس طلب راه راست کنید از من که من راه راست نمایم شمارا، ای بندگان من، همه شما گرسنه اید مگر آنکسی که من اطعام کنم اورا، پس طلب طعام کنید از من که اطعام نمایم شمارا، ای بندگان من، همه شما برهنه اید مگر آنکسی که کسوت دهم من اورا، پس طلب کسوت کنید از من که کسوت دهم شمارا، ای بندگان من، همه شما خطا می کنید در شب و روز و من می آمرزم گناهان را، همه پس طلب آمرزش کنید از من که بیامرزم شمارا، ای بندگان من شما نمی رسید برسانیدن گزند بمن پس تا گزند رسانید بمن و نمی رسید برسانیدن نفع بمن تا نفع رسانید مرا، ای بندگان من اگر آنکه اوّل شما و آخر شما و انس شما و جن شما باشند بر دل متقی ترین مردی از شما زیادت نمی گرداند در ملک من چیزی را، ای بندگان من اگر آنکه اوّل شما و آخر شما و انس شما و جن شما باشند بر دل فاجر ترین مردی از شما کم نمی گرداند در ملک من چیزی را، ای بندگان من اگر اوّل شما و آخر شما و انس شما و جن شما بایستند در یک زمین هموار پس بخواهند هر یکی از من آنچه مطلوب او باشد پس من بدهم هر کس را آنچه خواسته کم نگرداند از ملک من چیزی را الاّ آن قدر که کم میگرداند سوزن هرگاه که در دریا فرو برند، ای بندگان من نیست این عملها الاّ عملهای شما که من آنرا شمارم و ضبط میکنم پس از ان جزای آنرا تمام بشما می رسانم، پس آنکسی که می یابد چیزی را باید که ستایش کند پروردگار را و آنکسی نیابد غیر آن پس باید که ملامت نکند مگر نفس خود را، تمام شد۔

وامثال این نوع در احادیث قدسیه بسیار است، نوع سیوم آنست که حضرت پیغامبر صلی الله علیه وسلم از جبرئیل علیه السلام روایت می کند و او از حضرت حق تعالیٰ جل وعلاً روایت میکند و از آنجمله است حدیث مسلسل بروایت اہل بیت که در آنجا امیر المومنین علی رضی الله عنه فرمود که حضرت پیغامبر صلی الله علیه وسلم فرمود که حضرت جبرئیل علیه السلام

فرمود کہ حضرت حق تعالیٰ فرمود کلمۃ لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن قالہا دخل فی حصنی ومن دخل فی حصنی امن من عذابی ـــــــ یعنی کلمہ لا الٰہ الا اللہ حصار من است پس آنکسی کہ گفت آن کلمہ را در حصار من و ہر کس کہ درآمد در حصار من آمن گشت از عذاب من، و امثال او در احادیث قدسیہ بسیار است نوع چہارم از احادیث قدسیہ آنست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از معنی قرآن استنباط فرمودہ باشد و در آن صورت ایت را باستشہاد آوردہ باشد و امثلہ او در احادیث بسیار است ۔ نوع پنجم از احادیث قدسیہ آنست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از اوامر و احکام الٰہی نسبت با امم سابقہ یا از کتب استنباط فرمودہ باشد یا از جمع اقوال سابقان در اجرای حکم قضای الٰہی در شان ایشان فرا گرفتہ باشد و این نوع را ہم امثلہ بسیار است۔ نوع ششم آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حق تعالیٰ را در واقعہ دیدہ باشد و در رویای صالحہ کہ یک جزو از نبوت است حضرت حق تعالیٰ با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرمودہ باشد و آنحضرت صلی اللہ علیہ حکایت آن خطاب با امت فرمودہ باشد و از آنجملہ است حدیثی کہ در باب کفارت وارد شدہ و از کتب موجود است ، این شش نوع است حدیث قدسی کہ امثلہ و شواہد آن در احادیث بسیار واقع شدہ و اگر محل بسط نمودہ مجلدی کبیر تالیف باید کرد و علی حسب فیض الوقت این چند ورق مکتوب شد و بعضی امثلہ آوردہ گشت تا اطلاع بر انواع آن میسر گردد ، والتوفیق من اللہ الاحد ، تمت الرسالۃ بیمن مؤلفہ العبد فضل اللہ بن روزبہان المشتہر بخواجہ مولانا اصفہانی بلغہ اللہ اقصی الامانی فی الرابع والعشرین من شہر ذی قعدہ سنہ اثنین وعشرین وتسعمأیہ وقد کتبت فی بعض لیالی اللیالی والحمد للہ علی نعمہ الکامل ولطفہ الشامل وفضلہ الحاصل بقصبہ کرمینہ من اعمال سغد سمرقند الواحد الاحد والختم بالصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ونبینا محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم ۔

کاتب محمد باقر بن عبد اللہ الیمنی ، المشتہر بامیر عرب ، صفر سنہ ثمان وستین وتسعمأیہ ۔

حوالے

سلہ فضل اللہ ، تاریخ عالم آرائے امینی ، مخطوطہ فاتح لائبریری استانبول ، ورق ۸۹ الف ۔

سلہ ۲ فضل اللہ ، مہمان نامۂ بخارا ، مطبوعہ تہران ۱۹۶۲ ، ص ۳۵۶

سلہ ۳ ایضاً ۔ ص ۸۵ ، ۱۳۱ ، ۱۳۶ ، ۲۵۱ ، ۲۵۳ ، ۲۵۶ ، ۲۵۹ ، ۳۲۱ ، ۳۲۸ ۔

؎۴ فضل اللہ، مہمان نامۂ بخارا۔ ص ۲۵۶ ؎۵ السخاوی، الضوء اللامع، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۴ھ ج ۶ ص ۱۷۱ ؎۶ کحالہ، معجم المؤلفین مطبوعہ دمشق ۱۹۵۹، جلد ۸، ص ۶۸ ؎۷ مینورسکی۔ پرشیا ان اے۔ ڈی ۱۴۷۸ تا ۱۴۹۰، مطبوعہ لندن ۱۹۵۷، ص ۲ ؎۸ ایضاً ص ۱۲ ؎۹ جنید شیرازی۔ شدّ الازار، مطبوعہ تہران ۱۹۴۹۔ ص ۱۷۱ تا ۱۷۵ ؎۱۰ فضل اللہ۔ تاریخ عالم آرائے امینی ورق ۲۰۰ ب ؎۱۱ حسن فسائی۔ فارس نامۂ ناصری، مطبوعہ تہران ۱۳۱۱ش جلد دوم۔ ص ۱۹۷ ؎۱۲ فضل اللہ۔ تاریخ عالم آرائے امینی ورق ۸۹ الف ؎۱۳ ایضاً ورق ۹۲ الف ؎۱۴ کمال اسمٰعیل اصفہانی، دیوان، مطبوعہ بمبئی، ص ۱۲، ۱۵، ۱۷ ؎۱۵ فضل اللہ، تاریخ عالم آرائے امینی، ورق ۹۶ الف ؎۱۶ ایضاً ورق ۹۲ الف ؎۱۷ ایضاً ورق ۷۷ الف ؎۱۸ ایضاً ورق ۱۸۶ ب ؎۱۹ ایضاً ورق ۱۷۶ الف ؎۲۰ مینورسکی۔ پرشیا ان اے۔ ڈی ۱۴۷۸-۱۴۹۰، ص ۲ ؎۲۱ مینورسکی۔ بولیٹن سکول آف اورینٹل اینڈ افریقین سٹڈیز، جلد ۱۷/۳ ۱۹۵۵، ص ۴۶۱ ؎۲۲ حسن روملو۔ احسن التواریخ، مطبوعہ بڑودہ ۱۹۳۱۔ ص ۱۷۴ ؎۲۳ براؤن۔ تاریخ ادبیات ایران، مطبوعہ کیمبرج ۱۹۳۰، جلد چہارم، ص ۸۰، ۹۰ ؎۲۴ سٹوری، پرشین لٹریچر، مطبوعہ لندن ۱۹۲۷، جلد اول، ص ۳۰۰ ؎۲۵ فضل اللہ مہمان نامۂ بخارا، مطبوعہ تہران ۱۹۶۲۔ ص ۳۳۵ ؎۲۶ السخاوی، الضوء اللامع، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۴ھ جلد ششم ص ۱۷۱ ؎۲۷ فضل اللہ۔ تاریخ عالم آرائے امینی، ورق ۳۰ ب تا ۳۵ الف ؎۲۸ ابن سکندر۔ بستان سیاحت، مطبوعہ تہران ۱۸۹۴، ص ۳۴۸ ؎۲۹ (i) رضا قلی خاں۔ ریاض العارفین، مطبوعہ تہران ۱۸۸۸، ص ۵۲-۵۴ (ii) پیر جمال، کلیات، قلمی نسخہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری نمبر ۱۲۰۳۸ ورق ۳۰۱ الف، ۳۰۵ ب ؎۳۰ (i) نکلسن۔ فہرست مخطوطات براؤن۔ کیمبرج ۱۹۳۲، ص ۲۳۹ - (ب) نکلسن۔ عجب نامہ، کیمبرج ۱۹۲۲ صفحہ ۲۴۲ تا ۲۷۵ ؎۳۱ پیر جمال۔ کلیات، ورق ۳۱۱ الف، ۳۱۲ ب ؎۳۲ فضل اللہ۔ تاریخ عالم آرائے امینی، ورق ۳۰ ب تا ۳۵ الف ؎۳۳ (i) السخاوی، الضوء اللامع، جلد چہارم۔ ص ۱۷۱ (ii) فضل اللہ نے بھی سلوک الملوک میں ۸۸۶ھ میں اپنے قیام مصر کا ذکر کیا ہے (مخطوطہ لینن گراڈ، ورق ۲۴ ب) ؎۳۴ السخاوی، الضوء اللامع، جلد چہارم ص ۱۷۱ ؎۳۵ و ؎۳۶ ایضاً ؎۳۷ فضل اللہ۔ تاریخ عالم آرائے امینی ورق ۳۰ ب تا ۳۵ الف ؎۳۸ ایضاً ؎۳۹ ایضاً ورق ۱۳۱ الف ؎۴۰ ایضاً ورق ۱۱۶ ب ؎۴۱ ایضاً ورق ۸۲ ب ؎۴۲ ایضاً ورق ۱۱۸ الف و ب ؎۴۳ ایضاً ورق ۱۲۲ ب ؎۴۴ ایضاً ورق ۱۸۲ الف ؎۴۵ مینورسکی۔ بلیٹن سکول آف اورینٹل اینڈ افریقین اسٹڈیز لندن۔ جلد ۱۷/۳ ۱۹۵۵، ص ۴۵۹۔ ؎۴۶ فضل اللہ، مہمان نامۂ بخارا۔ مطبوعہ تہران ۱۹۶۲۔ ص ۳۲ ؎۴۷ ایضاً ص ۳ تا ۲۱، ۳۱ ؎۴۸ ایضاً ص ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۱۹، ۲۹ ؎۴۹ ایضاً ۱۰۵، ۱۰۷ ؎۵۰ فضل اللہ۔ مہمان نامۂ بخارا۔ مطبوعہ تہران ۱۹۶۲۔ ۴۰۶، ۴۰۷ ؎۵۱ ایضاً ۱۹۷۔ ؎۵۲ ایضاً ص ۲۲۳، ۲۲۹ ؎۵۳ ایضاً ص ۱۳۳ ؎۵۴ ایضاً ص ۹۳ ؎۵۵ ایضاً ص ۱۳۹ - ۱۴۰ ؎۵۶ ایضاً ۲۵۹ - ؎۵۷ ایضاً ص ۳۴ ؎۵۸ ایضاً ص ۲۲۶، ۲۸ ؎۵۹ ایضاً ص ۳۳ ؎۶۰ ایضاً ص ۳۰۷ ؎۶۱ ایضاً ص ۹۷ -

۶۲؎ ایضاً ص ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۴۲،۲۵۵ ۶۳؎ ایضاً ص ۲۰، ۲۴، ۲۲۲ ۶۴؎ مینورسکی۔ پرشیا ان اے۔ ڈی ۱۴۷۸ء۔ ۱۴۹۰ء مطبوعہ لندن ۱۹۵۷ء، ص ۴ (پروفیسر مینورسکی نے تذکرہ حسن نثاری کے روسی ترجمہ کا حوالہ دیا ہے۔ بدقسمتی سے یہ کتاب میری دسترس سے باہر ہے)۔ ۶۵؎ فضل اللہ۔ مہمان نامۂ بخارا، ص ۵۶ ۶۶؎ ایضاً ص ۳۵۶ ۶۷؎ فضل اللہ۔ شرح قصیدۂ بردہ، مخطوطہ ایڈنبرا یونیورسٹی لائبریری نمبر ۱۰۵، ورق ۳۱ الف۔ ۳۲ ب ۶۸؎ مینورسکی۔ پرشیا ان اے۔ ڈی ۱۴۷۸ء۔ ۱۴۹۰ء، ص ۴ (پروفیسر مینورسکی نے تذکرہ حسن نثاری کا حوالہ دیا ہے) ۶۹؎ فضل اللہ۔ مہمان نامۂ بخارا۔ ص ۲۵۱ ۷۰؎ ایضاً ص ۲۳۹ ۷۱؎ ایضاً ص ۵۶ ۷۲؎ غلام سرور۔ ہسٹری آف شاہ اسماعیل صفوی مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۳۹ء، ص ۱۱۲ ۷۳؎ اسکندر منشی۔ تاریخ عالم آرائے عباسی، مطبوعہ تہران ۱۳۱۴ شمسی جلد اول، ص ۳۰۔ ۷۴؎ لین پول۔ کیٹلاگ آف اورینٹل کوئنز ان دی برٹش میوزیم۔ مطبوعہ لندن ۱۸۹۰ء جلد پنجم ص ۱۲۳ ۷۵؎ اسکندر منشی۔ تاریخ عالم آرائے عباسی۔ جلد اول، ص ۳۰ ۷۶؎ فضل اللہ۔ سلوک الملوک، مخطوطہ لینن گراڈ، ورق ۷ ب ۷۷؎ ایضاً ص ۱۱ ب، ۱۲ الف ۷۸؎ مینورسکی، پرشیا ان اے۔ ڈی ۱۴۷۸۔ ۱۴۹۰ء ص ۸ ۷۹؎ فضل اللہ۔ شرح قصیدۂ بردہ۔ مخطوطہ ایڈنبرا یونیورسٹی لائبریری نمبر ۱۰۵ ۸۰؎ حسن روملو۔ احسن التواریخ۔ مطبوعہ بڑودہ ۱۹۳۱ء، ص ۱۴۴۔

تعلیماتِ غزالی

ازمولانا محمد حنیف ندوی

امام غزالی نے اپنی بے نظیر تصنیف "احیاء" میں یہ واضح کیا ہے کہ اسلام و شریعت نے انسانی زندگی کے لیے جو لائحۂ عمل پیش کیا ہے اس کی تہہ میں کیا فلسفہ کارفرما ہے۔ یہ کتاب امام غزالی کی احیا کی آزاد اور توضیحی تلخیص ہے اور اس کے مقدمہ میں تصوف کے رموز و نکات پر سیرحاصل بحث کی گئی ہے۔

صفحات ۵۷۲ قیمت ۱۰٫۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ لاہور